بشیر پاشا سیریز

تذکرہ

شمس العلما حافظ نذیر احمد مرحوم

مرتبہ

محمد مہدی

اسلامیہ ہائی اسکول (اٹاوہ)

Title and inside Blocks printed by Taj Printing Works Fo
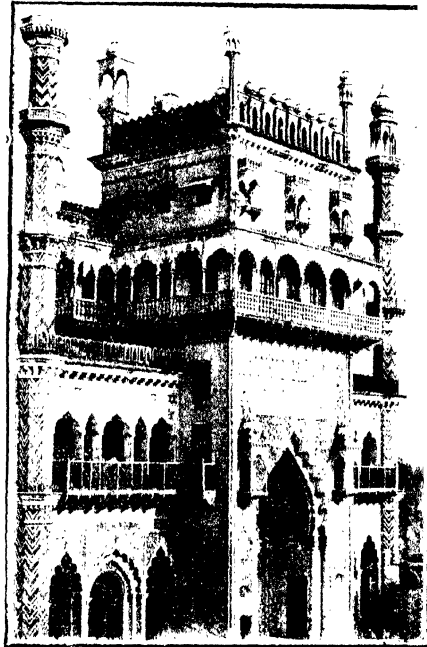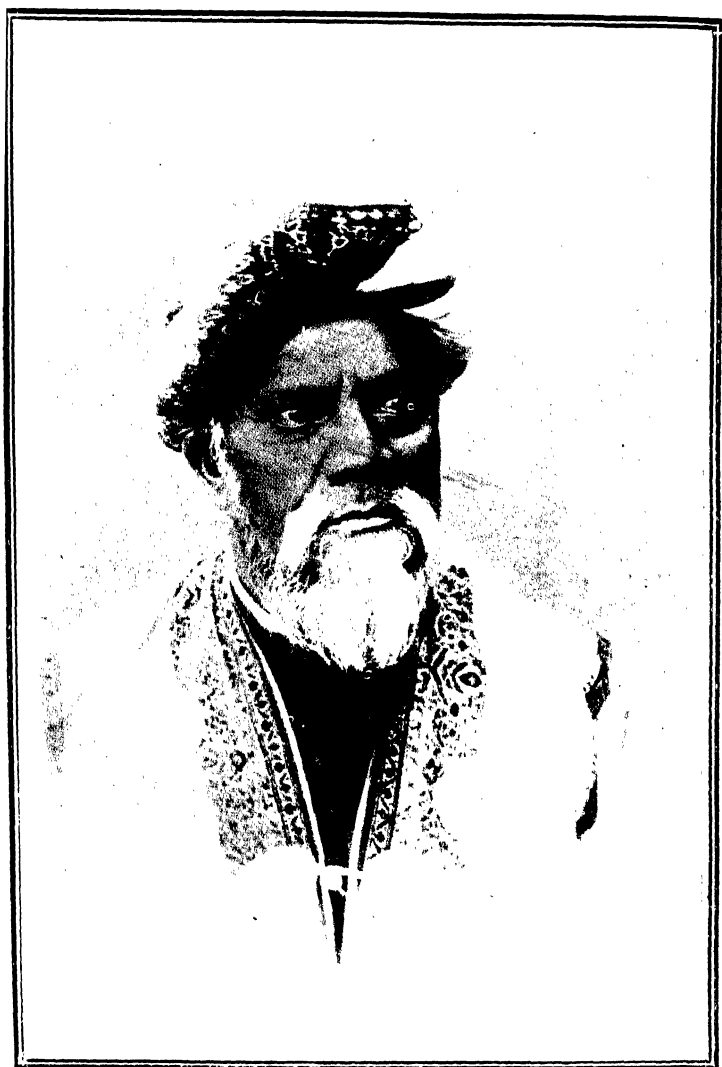
معنون

میں اس سلسلہ کو اپنے شاگرد رشید جواں مرگ بشیر پاشا
مرحوم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ کے نام معنون کرتا ہوں جس کی زندگی
اور جس کی تعلیم و تربیت کا مقصد قوم کی تعلیمی خدمت تھی اور جس نے
تکمیل تعلیم کرکے اپنی زندگی کو اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے لئے
وقف کر دیا تھا۔

محمد الطاف حسین
اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

تذکرۃ المشاہیر

نوجوانان قوم میں ملک اور قوم کی خدمتوں کا جذبہ پیدا کرنے اور اُن کی حوصلے بڑھانے کیلئے
ان مشاہیر قوم کی سوانح عمریوں کا مطالعہ جنہوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی ترقیوں میں جانفشانیاں
کی ہیں نہایت موثر ذریعہ ہے اور ہر ملک اور ہر قوم میں اس ذریعہ سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔
اعظم الرجال کی بڑی بڑی سوانح عمریوں کے علاوہ خوشنما سائز اور عمدہ طباعت کے ساتھ کم قیمت
لائف اسکیچ بکثرت شایع کئے جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں مسلمانوں نے اس ذریعہ پر کچھ توجہ
نہیں کی حالانکہ دوسری قومیں اسی ذریعہ سے بہت کچھ منافع حاصل کر رہی ہیں اسی مقصد کو
پیش نظر رکھ کر میں نے اور مولوی بشیر الدین صاحب منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ نے ارادہ کیا ہے کہ
جہاں تک ممکن ہو اس عصر جدید میں جن مشاہیر نے اپنی عمریں قومی خدمت اور قومی ہمدردی
میں صرف کی ہیں ان کے لائف اسکیچ شائع کئے جائیں چنانچہ اسوقت اس سلسلہ کے چند نمبر
شایع کئے جاتے ہیں اور میں اُن عزیزوں اور دوستوں کا شکرگزار ہوں جنہوں نے ہماری دلی
خواہش کی تکمیل میں اپنا وقت صرف کر کے اور محنت اُٹھا کر ان تذکروں کو مرتب کیا ہے
خداوند تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ہم کو اپنے ارادوں میں کامیاب کرے۔
میں اپنے پرجوش نوجوان دوست سید عبد الجلیل حسن صاحب کا جو بمبئی میں فن طباعت کی تکمیل کر رہے ہیں خاص
طور پر شکرگزار ہوں کہ انہوں نے نہایت تنگ وقت میں تصاویر کے ایسے اچھے اور عمدہ بلاک خود تیار
کر کے بطور امداد عنایت کئے اور اپنی نگرانی میں اُن کو طبع کرایا۔
میں اپنے اہل قلم نوجوانان قوم سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس قومی خدمت میں ہماری مدد کریں کے
عنداللہ ماجور ہوں۔ اس سلسلہ کی اشاعت سے اگر کچھ فائدہ ہوا تو اسی سلسلہ کی توسیع میں صرف ہوگا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ

شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد خان ایل-ایل-ڈی-ڈی او-ایل- دہلوی مرحوم و مغفور

مولانا نذیر احمد دہلوی ایک ایسا نام ہے جس کے لیتے ہی ایک ایسی شاندار ہستی ذہن میں آتی ہے جو اُن مشاہیر اور نامور بزرگوں کی صف میں امتیازی کرسی پر متمکن ہے جنہوں نے اس آخری عہد میں خاک ہند سے مسلمانوں میں جنم لیا اور جب تک اردو زندہ ہے یا نام ہمیشہ ایک رفیع القدر، باکمال نامور کی یاد دلاتا رہے گا۔

مرحوم عربی علم ادب کے فاضل یگانۂ عصر اور جدید اردو کے ایک رکن اعلیٰ اور اس بے مایہ زبان کو اپنی گرانقدر تصنیفات سے مدارج ترقی پر پہنچانے والے اور انشا پردازان و ادیبان اردو میں

سب سے زیادہ قادر الکلام تھے لغات و محارات اور ضرب الامثال اردو پر
جو عبور مولانا مرحوم کو حاصل تھا وہ آپ کے ہم عصر مصنفین و اہل قلم میں شیے
کسی کو حاصل نہ تھا اگر الفاظِ کثیر کا استعمال استادی کی دلیل ہے
تو مصنفین اردو میں اس وقت تک مولانا مرحوم کا ہم رتبہ پیدا نہیں ہوا
مولانا مرحوم کی تصانیف کو جو حسن قبول حاصل ہوا اس سے بھی دوسرے
ہم عصر مصنفین کی تصانیف باوجود اپنی گراں پائگی کے محروم رہیں ۔
سبب اس کا یہ ہے کہ مولانا کی تصانیف میں جو لطف و اثر ہے اور جو
افادۂ عام کی خصوصیت ہے وہ اِن کے ہمعصروں کی تصانیف میں
نہیں، مولانا کی قریباً کل تصانیف آج تک گھروں میں پڑھی جاتی ہیں
اور بعض کتابیں بطور استفادہ مطالعہ کی جاتی ہیں۔ اپنے ہمعصروں سے
مولانا مرحوم یہ شان امتیاز بھی رکھتے تھے کہ آپ کی بعض تصانیف
گورنمنٹ سے معقول صلہ کی مستحق قرار پائیں۔

مولانا جس پایہ کے مصنف تھے اس سے فائق تر لیکچرار تھے مسٹر موریسن کا
قول تھا کہ، صدہا برس تک یورپ ایسا اسپیکر پیدا نہیں کر سکتا"
انہیں علمی فضائل نے مولانا کو حکومت ہند سے شمس العلما ایڈنبرا
یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ ڈی۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے ڈی" او،
ایل کے علمی خطابات دلوائے تھے۔ ان خوبیوں کے علاوہ جو کسی کو

مسند تعظیم و تکریم پر بٹھاتی ہیں مولانا مرحوم قوم کے ہمدرد اور بہی خواہ بھی تھے آخر عمر تک آپ کا مشغلہ زندگی قوم کی دینی و دنیاوی خدمات رہا۔

خدا نے مولانا کو علم و فضل کی بے بہا دولت کے ساتھ دولت دنیا سے بھی مالا مال کیا تھا، یہ سب کچھ مولانا کی ذاتی سعی و کوشش عقل و تدبیر یا ان استعدادوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا جو خدا نے مولانا کی ذات میں ودیعت فرمائی تھیں دوسرے الفاظ میں خدا کی شکر گذاری کا نتیجہ تھا غرض کہ مولانا کی زندگی آئندہ نسلوں کے لئے نہ صرف ایک "اچھی مثال" بلکہ ایک سبق ہے۔

ولادت، خاندان، طالبعلمی، شادی

مولانا نذیر احمد ۱۸۳۱ء میں بجنور کے ایک گاؤں رہڑ میں پیدا ہوئے والد کا نام سید سعادت علی تھا مولانا کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے شاہ عبد الغفور اعظم پوری تک پہنچتا ہے جو شاہ عبد القدوس گنگوہی کی خلفا میں سے ایک صاحب کرامت بزرگ تھے،

مولانا نذیر احمد مرحوم نے ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم اپنے والد ہی سے پائی اس کے بعد مولوی نصر اللہ ڈپٹی کلکٹر بجنور کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا، ابھی تعلیم ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ان کے والد نے دہلی بلا لیا یہاں

ایک ایسے مولوی صاحب کے سپرد کیے گئے جو تعلیم برائے نام دیتے تھے اور گھر کا کام زیادہ لیتے تھے دہلی میں جس جگہ اس وقت ریلوے اسٹیشن ہے یہاں پہلے پنجابی کٹرہ تھا اس کٹرہ کی مسجد میں مولوی محمد عبدالخالق صاحب حدیث کا درس دیا کرتے تھے یہی مسجد طلبا کا دارالاقامتہ تھی قریباً ۱۸۴۵ء میں مولانا نذیر احمد مرحوم اس مسجد میں داخل ہوگئے یہ زمانہ مولانا کا نہایت افلاس و مصیبت کا تھا لیکن شوقِ علم اس سخت مشکل پر غالب آگیا۔

اسی زمانہ میں مولوی عبدالخالق صاحب نے اپنی پوتی کی شادی کرنا چاہا درخواستیں تو بہت تھیں لیکن مولوی صاحب موصوف چاہتے تھے کہ جو شخص نماز کا پابند معاملہ کا اچھا اور زبان کا سچا ہو اس سے شادی کی کی جائے گی اِن شرطوں میں مولانا نذیر احمد ہی پورے اُترے اس لئے قرعۂ فال انہیں کے نام نکلا اور شادی کردی گئی شادی کے بعد بھی مولانا نذیر احمد بدستور مسجد کے طالب علم رہے، دیگر طلبا کی طرح مولانا کو بھی بتّی کے واسطے تھوڑی سی روئی اور تیل دیدیا جاتا تھا جس طالب علم کے پاس تیل زیادہ جلتا تھا وہی تعریف کا مستحق ہوتا تھا اس تعریف کے اہل مولانا ہی ثابت ہوتے تھے کیونکہ اور سب طالب علم سو جاتے تھے اور تنہا مولانا چراغ کے آگے اپنا سبق یاد کرتے رہتے تھے۔

دہلی میں اس وقت مولوی مملوک علی دہلی کالج کے عربی پروفیسر

بڑی پایہ کے عالم تھے مولانا کے شوق علم نے تحریک کی کہ ایک سبق مولوی مملوک علی کے یہاں شروع کیا جائے لیکن مولوی صاحب عدیم الفرصت تھے اس لئے انہوں نے انکار کیا مولانا کے اصرار پر یہ کہا کہ اچھا جسوقت ہم مدرسہ جایا کرتے ہیں اُس وقت آجایا کرو راستہ میں چلتے چلتے جو کچھ پڑھ سکو گے پڑھا دیا کریں گے مولانا نے منظور کر لیا روزانہ جاتے اور مولوی مملوک علی کی پینس کے ساتھ کتاب ہاتھ میں لئے ہوئے دوڑتے اور کالج تک جو کچھ پڑھ سکتے پڑھ لیتے کچھ روز کے بعد اپنے والد سے اجازت لیکر جنہوں نے بمشکل اجازت دی دہلی کالج میں داخل ہو گئے درس نظامیہ کی تکمیل کر چکے تھے کالج میں عربی علم ادب فلسفہ اور ریاضی کی تکمیل کی۔

کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر نے مولانا کی ذہانت وطباعی دیکھ کر چاہا کہ یہ انگریزی پڑھ لیں اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ انگریزی کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے مولانا جیسے شایق بلکہ حریص علم کو تو کچھ عذر ہو ہی نہیں سکتا تھا لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمانوں کے دلوں میں انگریزی زبان سے انتہائی تعصب تھا مولانا کے والد انگریزی دانی پر اپنے بیٹے کی موت کو ترجیح دیتے تھے اس لئے انہوں نے انگریزی پڑھوانے سے قطعی انکار کر دیا مولانا مجبوراً علوم عربیہ ہی پڑھتے رہے اور کالج کی سند تکمیل حاصل کر لی۔

۶

ملازمت

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا سرکاری ملازم ہوگئے بیس پچیس روپے ماہوار کے مدرس مقرر ہوے چونکہ مولانا ذہین ذی لیاقت اور محنتی تھے اس لئے بہت جلد ترقی کرلی،

سر رچرڈ ٹمپل نے گجرات (پنجاب) میں سلسلہ تعلیم قایم کرنے کو چھ شخصوں کا انتخاب کیا تھا انہیں میں ایک مولانا بھی تھے اوران کو سو روپیہ ماہوار پر ضلع وزیٹری کا عہدہ ملا جسے اس زمانہ میں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز کہتے ہیں ۵۷ شہ کے غدر میں مولانا گورنمنٹ کے خیر خواہ رہے اور اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان خطرے میں ڈال کر ایک میم کی جان بچائی اور کئی مہینہ تک اُسے گھر میں پناہ دیکر بحفاظت برٹش کیمپ میں پہنچا دیا اس خیر خواہی کے صلے میں گورنمنٹ کی طرف سے خوشنودی کا اظہار کیا گیا اور تمغہ و انعام عطا ہوا اور انسپکٹر مدارس کرکے آلہ آباد بھیجدیے گئے۔

یہاں ایک واقعہ پیش آیا جس نے مولانا کے دل میں تحصیل انگریزی کی زبر دست تحریک پیدا کردی، واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کوئی عہدہ دار دفتر کے معائنہ کو آیا اور انگریزی میں گفتگو کرنے لگا۔ مولانا تو انگریزی جانتے نہ تھے

ان کا اسسٹنٹ جانتا تھا وہ انگریزی میں جواب دینے لگا مولانا کو یہ سخت ناگوار ہوا اور اسسٹنٹ سے کہا: تمکو میری موجودگی میں گفتگو کرنیکا کیا حق ہے کیا تم کو اپنی انگریزی دانی پر کچھ گھمنڈ ہے! اچھا جبتک بقدر ضرورت انگریزی نہ بولوں گا مجھپر انگریزی ملازمت حرام ہے اسسٹنٹ نے ہر چند معذرت کی اور عہدہ دار نے بھی سمجھایا لیکن مولانا کی غیور طبیعت کو سکون نہ ہوا۔ اور زبردستی چھ مہینے کی رخصت لے کر تحصیل انگریزی میں ہمہ تن مشغول ہو گئے مولانا محنت و کوشش کے دھنی تھے جو کامیابی کی اصلی کنجی ہے چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں معمولی انگریزی لکھنے پڑھنے اور بولنے لگے اس کے بعد اُنھوں نے انگریزی کا مطالعہ برابر جاری رکھا اور بہت اچھے انگریزی داں ہو گئے تقریر و تحریر بلکہ اچھی اچھی کتابیں بے تکلف سمجھ لیتے تھے مولانا اگرچہ انگریزی روانی اور بے ساختگی سے نہیں بول سکتے تھے تاہم جو بولتے تھے وہ صحیح اور اچھی انگریزی ہوتی تھی چنانچہ جن انگریز فاضلوں سے مولانا کو گفتگو کرنے کا موقع ملا اُنھوں نے اعتراف کیا کہ ڈپٹی صاحب انگریزی اچھی بول لیتے ہیں اس کامیابی میں مولانا کی ذہانت اور حافظہ کو بہت بڑا دخل ہے جو مولانا کو یہ دونوں قوتیں مبدء فیاض نے غیر معمولی عطا فرمائی تھیں۔

اسی انسپکٹری اسکول کے زمانہ میں گورنمنٹ کی طرف سے

تعزیرات ہند، کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ شروع ہوا مولوی
کریم بخش اور مولوی عظمت اللہ اس کام پر مامور ہوے چونکہ سر ولیم میور
گورنر ممالک متحدہ آگرہ واودہ کو ترجمہ کی صحت کا بیحد خیال تھا اور سر ولیم
میور کو مولانا نذیر احمد کی زباندانی اور قابلیت کا علم تھا اس لئے مولانا
ترجمہ کی اصلاح و درستی اور درستی کے بعد سر ولیم میور کو سنانے پر
مامور ہوے اس کام میں مولانا کو اپنا کمال ذہانت و قابلیت نمایاں
کرنے کا اچھا موقعہ ملا دونوں مولوی صاحبان ترجمہ کر کے پہلے مسٹر
کیمپسن ایم۔ اے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے پاس بھیجتے تھے ڈائرکٹر
اس ترجمہ کو جو عربی فارسی خوب جانتا تھا اچھی طرح جانچ کر سر ولیم میور کے
پاس بھیجدیتا تھا مولانا نذیر احمد زبان اور اصطلاحات کی درستی کے بعد
سر ولیم میور کو سنانے تھے ایک روز کسی وجہ سے ڈاک نہیں آئی
مولانا کو فکر ہوئی کہ کل سنانے کو کچھ نہیں ہے اس لئے خود ہی اصل
کتاب اور ڈکشنری لے کر بیٹھ گئے اور گیارہ پیرگراف ترجمہ کر ڈالی
دوسرے دن جب سر ولیم میور نے ہر روز سے زیادہ پیرگراف دیکھ
پوچھا: اور دن تو چار پانچ ہی پیرگراف ہوتے تھے آج گیارہ کیوں
ہیں؟ مولانا نے کہا: کل ڈاک نہیں آئی، اس لئے میں نے خود ترجمہ
کر لیا اور جس قدر ترجمہ ہوا وہ پیش کر دیا، سر ولیم میور نے سنکر کہا:

"ہوں تو یہ ترجمہ تم نے کیا ہے اچھا جاؤ تم بھی مولوی عظمت اللہ کے ساتھ شریک ہو کر کام کرو اور بحث و تمحیص کے ساتھ ترجمہ کرو اصطلاحات کا ذرا زیادہ خیال رکھنا" یہ حکم پاکر مولانا بھی ترجمہ میں شریک ہو گئے اور نہایت کد و کاوش سے ترجمہ کیا اور قانونی اصطلاحیں وضع کیں جن کا اس وقت تک اردو میں وجود ہی نہ تھا آج جو قانونی اصطلاحیں مقبول خاص و عام ہیں مثلاً خیانت مجرمانہ، ازالہ حیثیت عرفی، اقدام جرم ارتکابِ جرم، استحصال بالجبر، قتلِ عمد، حبس بیجا وغیرہ وغیرہ سب مولانا نذیر احمد ہی کی ذہانت و طباعی کا نمونہ ہیں، یہ ایسی موزوں و مناسب اصطلاحیں ہیں کہ اِن سے بہتر دوسری نہیں ہو سکتیں اور تعزیرات کا ترجمہ بھی اس قدر مکمل ہے کہ کہیں ایک لفظ کے تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے،

جب ترجمہ مکمل ہو گیا تو سر ولیم میور نے تینوں مترجموں کو چھ چھ سو روپے کی قیمتی ایک ایک گھڑی انعام میں دی اور ڈپٹی کلکٹری کا وعدہ کرکے امیدواروں میں نام درج کر لیا۔

مولانا نذیر احمد پہلے تحصیلدار ہوئے پھر چند روز کے بعد ڈپٹی کلکٹر بندوبست اس کے بعد ڈپٹی کلکٹری ضلع پر فائز کئے گئے قانون اسٹامپ اور قانون انکم ٹیکس کا ترجمہ بھی مولانا نذیر احمد ہی نے کیا تھا۔

ملازمت حیدر آباد

جس طرح تعزیرات ہند کا ترجمہ مولانا کی ترقی کا سبب ہوا اسی طرح
علم ہیئت کی ایک کتاب "گولمینز ہیون" کا ترجمہ ترقی کا باعث ہوا یہ
کتاب ریزیڈنٹ کشمیر نے لکھی تھی جو غالباً مولانا کا شاگرد تھا اس نے
اس کتاب کے بہترین ترجمہ کے لئے ایک ہزار روپیہ انعام اشتہار دیا
مولانا کو بھی ترجمہ کے لئے لکھا مولانا نذیر احمد نے کمال محنت و جان کاہی سے
ترجمہ کیا اور لوگوں نے بھی ترجمہ کیا تھا اس لئے بہترین ترجمہ کے
انتخاب کے لئے دہلی میں ایک کمیٹی قائم ہوئی جس کے ایک ممبر سید
مرحوم بھی تھے کمیٹی نے مولانا ہی کا ترجمہ انتخاب کیا لیکن بعض ممبروں نے
یہ رائے بھی لکھی کہ گو موجودہ ترجموں سے یہ سب سے بہتر ہے۔ لیکن قابل تعریف
یہ بھی نہیں ہے اس لئے رزیڈنٹ کشمیر نے بجائے ایک ہزار کے صرف
پانچسو روپیہ انعام کا دیا اور ترجمہ سر سالار جنگ کو حیدر آباد بھیجا کہ نظام
سابق کے تا تا امیر کبیر سے درستی کرا دی جائے جو علم ہیئت کی بہت بڑے
ماہر تھے امیر کبیر نے ترجمہ دیکھ کر لکھا کہ: وہی شخص خوب اصلاح
و نظر ثانی کر سکتا ہے جس نے ترجمہ کیا ہے' بالآخر ترجمہ پھر مولانا کے
پاس آگیا مولانا نے کچھ ردو بدل کر کے بقیہ پانسو طلب کیے اس اثناء میں

ریزیڈنٹ کشمیر کا انتقال ہوگیا بعد میں اس کی میم نے وہ روپیہ بھیجدیا۔
حیدرآباد میں جب سر سالارجنگ مرحوم نے ترجمہ کے متعلق ایسی کبیر کی
رائے سنی تو وہ لائق لوگوں کی تلاش ہی میں رہتے تھے فوراً انہوں نے
گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا کہ: مولانا نذیراحمد کی خدمات کچھ عرصہ کیلئے
مستعار دیدی جائیں" گورنمنٹ نے منظور کرلیا اور مولانا آٹھ سو روپے
ماہوار تنخواہ پر حیدرآباد چلے گئے وہاں پہلے بندوبست پر مامور ہوے
اسی زمانہ میں اُنھوں نے قرآن شریف حفظ کیا عربی علم ادب سے مولانا کو
خاص ذوق تھا اسی ذوق نے اِن کو حافظ قرآن کردیا یہاں اکثر دورے پر
رہنا ہوتا تھا اور بعض وقت کوئی کام نہ ہوتا تھا اس بیکاری کی زمانہ میں
قرآن شریف یاد کیا کرتے تھے آخر پورا قرآن یاد ہوگیا حیرت کی قابل
یہ بات ہی کہ یہ نعمت عظمے مولانا کی صرف چھ مہینے کی محنت کا ثمرہ ہے۔
میعاد ختم ہونے کے بعد مولانا نذیراحمد نے استعفا لکھکر پیش کیا
لیکن سر سالارجنگ مرحوم نے منظور نہ کیا مولانا نے اپنے اقربا اور
اعزہ سے لئے کچھ مراعات کی درخواست کی سر سالارجنگ مرحوم نے
اِن کے نابالغ لڑکے کا دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کردیا۔ اور چند
لواحقین کو معقول ملازمت عطا کی اب مولانا نذیراحمد مستقل طور پر
حیدرآباد میں ملازم ہوگئے اور گورنمنٹ آف انڈیا کی ملازمت چھوڑدی

یہاں مولانا برابر ترقی کرتے رہے اور ۷۰۰ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر آخر میں بورڈ آف ریونیو کے ممبر ہوگئے

سالار جنگ کو نظام دکن کی تعلیم کے لئے ایک نصاب مرتب کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی اس کام کے لئے مولانا ہی پر نظر انتخاب پڑی چنانچہ نصاب کی تیاری اِن کے سپرد کی گئی اُنھوں نے نہایت قابلیت سے یہ کام انجام دیا اور سات رسالے مرتب کئے جو مال، فوجداری، عدالت وغیرہ شعبہائے سلطنت کے اصول و قواعد پر تھے افسوس ہے کہ یہ رسالے حلیۂ طبع سے آراستہ نہ ہوے ورنہ رؤسا اور عام شائقین کے لئے بھی بہت مفید ہوتے۔

سالار جنگ مرحوم مولانا کی قابلیتوں کے بیحد معترف تھے اسی لئے اُنہوں نے اپنے فرزند لائق علی خاں کو مولانا کے پاس پڑھنے بٹھایا لائق علی خاں کے رفیق درس راجہ کشن پرشاد تھے اس لئے یہ دونوں مولانا کے گھر سبق لینے آیا کرتے تھے۔

جب لائق علیخاں جوان ہوگئے اور سالار جنگ کا انتقال ہوگیا تو یہ عہدۂ وزارت پر باپ کے جانشین ہوے سالار جنگ ثانی ان کا خطاب ہوا۔ اِن کے جو ہمنشین تھے وہ مولانا کی طرف سے کھٹکتے تھے کہ یہ وزیر صاحب کے اُستاد ہیں کہیں ہمارے خلاف کوئی کارروائی نکریں

اسی غلط خیال کی بنا پر موقع کی تاک میں رہتے تھے ایک روز سالار جنگ ثانی نے مولانا سے کچھ بے تکلف باتیں کیں مولانا نے بھی چند کلمات نصیحت کہہ دیئے ندیمانِ سالار جنگ ثانی نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مولانا کی طرف سے خوب کان بھر دیئے اس وقت سے مولانا کی طرف سے اِن کی تیور بدل گئے مولانا نے جو یہ رنگ دیکھا تو پنشن لے کر دہلی چلے آئے۔

تصنیف و تالیف

دہلی آکر مولانا تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اس سے پہلے زمانہ ملازمت میں بھی مولانا کا مشغلہ تصنیف و تالیف رہا صرف زمانہ ملازمت حیدر آباد میں بجز نظام دکن کی تعلیم کے لئے سات رسالوں کے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ سب سے پہلے "چند پند" اور "حکایات" لکھیں یہ دونوں کتابیں نصائح اور اخلاق پر ہیں اسکے بعد منطق میں ایک کتاب مبادیٔ حکمت" تالیف کی اس میں مسائل منطق ایسے دلکش انداز سے لکھے ہیں کہ اس خشک علم کے مسائل سمجھنے میں نہ کچھ دقت ہوتی ہے نہ طبیعت گرانی محسوس کرتی ہے اس کتاب پر مولانا کو گورنمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا تھا۔

اس کے بعد عربی صرف و نحو پر ایک رسالہ "ما ینبغیک فی الصرف" تالیف کیا اور ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ میں لڑکیوں کے لئے امور خانہ داری سلیقہ شعاری اور تہذیب شائستگی کی تعلیم کے لئے ایک کتاب "مراۃ العروس" تصنیف کی، یہ کتاب مولانا کی انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے اس میں عورتوں کی زبان اور ان کے خیالات اس خوبی سے ادا کئے ہیں کہ عورتیں بھی اس سے بہتر نہیں کر سکتیں یہ کتاب مقبول بھی خوب ہوئی ہندوستانی صوبوں کی کئی گورنمنٹوں نے نہایت قدر کی اور ممالک مغربی و شمالی کی گورنمنٹ نے اس کی ایک ہزار جلدیں خریدیں اور ایک ہزار روپیہ مولانا کو انعام دیا اور سر ولیم میور نے ایک سونے کی گھڑی اپنے پاس سے انعام دی۔ ہندوستان کے مختلف مطابع نے بطور خود یہ کتاب چھاپی اور فروخت کر کے خوب نفع کمایا۔ مسلمان شریفوں کے گھروں میں یہ کتاب آنکھوں پر رکھی گئی یہ کتاب پڑھی لکھی خواتین خود ذوق و دلچسپی سے پڑھتی تھیں اور بے لکھی پڑھی دوسروں سے پڑھوا کر سنتی تھیں اور آج تک مسلمانوں میں کوئی پڑھا لکھا گھر ایسا نہیں ہے جہاں یہ کتاب موجود نہ ہو یا مطالعہ نہ کیا جاتا ہو اور ہندوستان کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے کہ جس میں اس کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔

اس پایہ کی دوسری تصنیف مولانا کی بنات النعش ہے اس میں علمی مسائل آسان اور عام فہم عبارت میں لکھے گئے ہیں زبان و طرز بیان وغیرہ سب مراۃ العروس کی طرح ہے اس کتاب پر بھی گورنمنٹ کیطرف سے انعام دیا گیا اور یہ بھی بہت مقبول ہوئی لیکن مراۃ العروس سے کچھ کم۔

تیسری معرکۃ الآرا تصنیف توبۃ النصوح ہے۔ اس کا موضوع خدا پرستی اور اولاد کی اخلاقی اصلاح ہے یہ کتاب بھی مراۃ العروس اور بنات النعش کی طرح خاص و عام میں مقبول ہوئی گورنمنٹ کی طرف سے اس کتاب پر بھی ایک ہزار روپیہ انعام ملا اس میں نصوح کا خواب کمال انشا پردازی اور ادب کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے یہ اسقدر زوردار دلچسپ اور پُرتاثیر ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خواب ادب اردو کی لازوال چیزوں میں سب سے بلند جگہہ رکھنے کے قابل ہے۔

مولانا نے حیدرآباد سے آنے کے بعد سب سے پہلے "ابن الوقت" تصنیف کی جس میں دکھلایا ہے کہ ہندوستانیوں کے لئے انگریزی تمدن و معاشرت موزوں نہیں ہے اور اس کے اختیار کرنے میں کس قدر دشواریاں اور خرابیاں ہیں۔ اس کتاب کی طرز بھی

قصہ کی ہے جس کی داغ بیل خود مولانا کے واقعاتِ زندگی ہیں۔
ایک مولوی صاحب جنہوں نے مولانا سے ادب عربی پڑھا تھا بیان کرتے تھے کہ، ایک مرتبہ مولانا نذیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف "ابن الوقت" دیکھنے کو مرحمت فرمائی میں جب اول سے آخر تک دیکھ چکا تھا، تو پوچھا جانتے ہو یہ "ابن الوقت" کون ہے میں نے کہا میں نہیں جانتا کہا "میں ہوں" پھر انہوں نے تفصیل کے ساتھ کل واقعات بیان فرمائے "معارف مرحوم علی گڈھ میں مولانا کا ایک مضمون چھپا تھا جس میں انہوں نے اپنے واقعات زندگی خصوصاً مذہبی تشکوک وترزدات کا دور تفصیل سے دکھلایا ہے اس مضمون کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابن الوقت کا خلاصہ ہے۔

ابن الوقت کے بعد مولانا کی انہیں مذکورہ با کتابوں کی طرز پر تین کتابیں اور شائع ہوئیں ایک "محصنات" جس میں کثرت ازدواج کے قبائح اور اس کے بدنتائج پر بحث کی گئی ہے دوسری "ایامیٰ" جس میں بیواؤں کی دردناک حالت موثر طریقہ سے دکھلائی ہے اس کتاب نے بہت مفید کام کیا کہ عقد بیوگان کو معیوب سمجھنے کا خیال یا تو دور کر دیا یا اس عقیدے کو متنزلزل کر دیا اور بعض جگہ تو بیواؤں کا نکاح کرا دیا۔ تیسری کتاب "رویائے صادقہ" ہی اصل میں تو

اسکا موضوع عقل و نقل میں تطبیق ہے لیکن شروع میں صادقہ کے حالات جو سچے خواب دیکھا کرتی تھی بہت دلچسپ ہیں خصوصاً وہ بحث بہت پر لطف ہے جس میں ایک صاحب یورپین و یوروپین لیڈی کے ساتھ شادی کے دلدادہ ہیں دوسرے اپنی قوم و ملک کی عورت سے شادی کو ترجیح دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا کتابیں معاشرت و اخلاق کی اصلاح کا سبق دیتی ہیں اور اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت موثر و نتیجہ خیز ہیں اس لئے ان کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ ان میں علاوہ خوبی زبان اور لطف بیان کے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ باوجودیکہ حسن و عشق کی چاشنی سے خالی ہیں لیکن دلکشی اور دلچسپی میں عاشقانہ ناولوں سے کم نہیں ہیں۔ ہر کتاب شروع سے آخر تک پڑھنے والے کے لطف و دلبستگی کو قایم رکھتی ہے انہیں کتابوں نے مولانا کو اپنے بعض ہمعصر مولفین سے ممتاز بنا دیا ہے۔ کیونکہ ان میں کتب خانوں سے مدد نہیں لی گئی ہے بلکہ ان کا ماخذ غیر محدود واقعات زندگی ہیں ان ہی سے اپنے موضوع کے مناسب واقعات لیکر خوبی و خوش اسلوبی اور پر تاثیر طریقہ سے ترتیب دیے گئے ہیں اور اردو میں ان کتابوں نے اخلاقی افسانہ نویسی کی نئی طرز کی بنیاد ڈالی ہے۔

افسوس ہے کہ ان بے بہا کتابوں کا رواج اب بہت کم ہو گیا ہے حالانکہ یہ کتابیں بھلا دینے کے قابل نہیں ہیں بلکہ ہر اردو خواں مرد وعورت کو اِن کا مطالعہ بہت ضروری ہے اردو زباندانی کے لئے تو کوئی شخص مولانا کی کل تصانیف سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

صرف صغیر، رسم الخط، موعظۂ حسنہ، افسانۂ غدر اور نصاب خسروا بھی مولانا کی مفید تصانیف ہیں جو انہوں نے مختلف اوقات میں لکھیں سب سے بڑا کارنامہ ان کا ترجمہ قرآن مجید ہے یہ ۱۸۹۳ء سے شروع ہوا اور ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔ اس سے قبل شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کا ترجمہ مقبول ہو چکا تھا جو اس زمانہ کی اردو کے اعتبار سے بہترین ترجمہ ہے اس کی خاص خوبی جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ محتمل المعنی عربی الفاظ کا ترجمہ محتمل المعنی اردو الفاظ میں کیا ہے تاہم شاہ صاحب مرحوم کے وقت سے زبانِ اردو نے بہت ترقی کر لی تھی ضرورت تھی کہ ایک نہایت فصیح و بلیغ اور معنی خیز ترجمہ کیا جائے مولانا نذیر احمد مرحوم سے بہتر اس کام کو دوسرا شخص نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مولانا عربی علم ادب کے فاضل اجل اور زبانِ اردو کے باکمال اور قادر الکلام انشا پرداز تھے چنانچہ مولانا نے ترجمہ کیا اور اس میں شک نہیں کہ خوب کیا یہ ایسا شستہ اور رفتہ شگفتہ بامحاورہ اور فصیح و بلیغ ترجمہ ہے کہ اس سے

بہتر نہیں ہو سکتا لیکن مولانا مرحوم نے ترجمہ کو اپنے لب و لہجہ کے سانچہ
میں ڈھال کر اردو محاورات بلا ضرورت کھپائے ہیں اسکے علاوہ قوسین کے
اندر چھوٹے اور بڑے جملوں کا اس قدر اضافہ کیا ہے کہ نرا ترجمہ نہیں رہا
بلکہ تفسیر ہو گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ ترجمہ بھی قرآن مجید کے دیگر
تمام ترجموں کی طرح معتقدات عوام کے مطابق کیا گیا ہے اور جس طرح
دوسرے کل ترجمے روایات اور تفسیری حکایات کو پیش نظر رکھکر کیے گئے
ہیں۔ اس نقص سے یہ ترجمہ بھی پاک نہیں ہے حالانکہ قرآن شریف
سب احادیث و روایات وغیرہ کا معیار ہے اس کی حقیقی عزت و احترام
اور ادب و تعظیم یہ ہے کہ اس کا ترجمہ معتقدات عوام و خواص حدیث
و روایت اور بڑے سے بڑے مفسر کی رائے و خیال سے خالی الذہن
ہو کر کرنا چاہیئے اور صرف لغت و محاورات عرب اور خود قرآن مجید
مرکوز خاطر رہنا چاہیئے غرض کہ ایک محققانہ ترجمے کی ضرورت علی حالہ
قایم ہے مولانا کے ترجمہ میں بعض آیات کا ترجمہ اور حواشی خود
ان کے عقیدے کے خلاف ہیں اگرچہ مولانا کا یہ عذر تھا کہ چند
مسائل کی وجہ سے عوام کو بھڑکانا نہیں چاہیئے بڑی ضرورت
اس بات کی ہے کہ لوگ قرآن کا ترجمہ پڑہیں۔ یہ عذر ایک حد تک
صحیح ہو لیکن جو خیالات و معتقدات خود مصنف کے نزدیک غلط ہیں

ان کی اشاعت کہاں جائز ہو سکتی ہے؟ تاہم باوصف ان نقائص کے اور باوجود ایک طبقہ علما کی مخالفت کے۔ مولانا کا ترجمہ قرآن مجید قبول ہوا آج تک ایک درجن سے زیادہ طباعتیں ہو چکی ہیں اور یہ اسی ترجمہ کی برکت ہے کہ جو لوگ قرآن کا نام ہی نہیں لیتے تھے وہ تلاوت کرتے ہیں یا کم سے کم مولانا کے نام اور ان کی ادبیت نے قرآن شریف لوگوں کے ہاتوں تک پہنچا دیا۔

مولانا کی آخری زندگی دینی خدمات کے لئے وقف ہو چکی تھی اور وہ ہمہ تن مذہبی تصنیفات ہی میں مشغول رہا کرتے تھے ترجمہ قرآن مجید کے بعد انہوں نے ادعیۃ القرآن اوردہ سورہ اور الحقوق والفرائض مرتب کیں آخری کتاب مولانا کی زبردست تالیف ہے اسلامی معتقدات اخلاق واعمال پر ایسی مبسوط کتاب اردو میں آج تک نہیں لکھی گئی اس میں پہلے ہر مضمون کی آیات قرآنی واحادیث مع ترجمہ لکھی ہیں اس کے بعد اس مضمون کی تشریح وتفصیل ہے ضمناً ہر قسم کے فقہی مسائل بھی ہیں غرض کہ یہ کتاب پیدائش سے وفات تک تمام مسائل کی جامع ہے پھر زبان کی خوبی اور عبارت کی دل آویزی وہی ہے جو مولانا کی دیگر تصنیفات کی خصوصیت مشترک ہے بلحاظ افادہ اس کتاب کو مولانا کی

تمام کتابوں پر برتری حاصل ہے جسکو اس کتاب کے مضامین مستحضر ہوں وہ اچھا خاصا مولوی بن سکتا ہے عام شائقین بطور استفادہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور موءلفین کے لئے بہت کتابوں کا ماخذ ہو سکتی ہے بلکہ ہو رہی ہے اس کتاب کے علاوہ ایک تصنیف مولانا کی اجتہاد بھی ہے جس میں حقانیت اسلام با عقلی دلائل سے لیکن اپنے عام دلپذیر انداز تحریر میں ثابت کی ہے۔

احمد شاہ سائق عیسائی نے ایک کتاب امہات المومنین لکھی تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت دریدہ دہنی سے اعتراضات کئے ہیں اس کا جواب سرسید مرحوم نے بھی لکھا تھا لیکن وہ ناتمام رہا مولانا نذیر احمد نے بھی امہات الامۃ ایک معرکۃ الارا کتاب لکھی جو امہات المومنین کا نہایت دنداں شکن جواب ہے علامہ سید علی بلگرامی مرحوم چاہتے تھے کہ یہ کتاب انگریزی میں ترجمہ کرکے یورپ کے سامنے پیش کی جاے لیکن مولانا کے قلم سے بعض شوخ جملے نکل گئے تھے مولوی تو مولانا کی مخالفت پر اُدہار کھاے بیٹھے تھے ان کو شور برپا کرنے کا اچھا موقع مل گیا پکڑ کا کوا اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کیا مولانا پر کفر کے فتوے شائع کئے گئے جو اس قسم کے مولویوں کی ایک ذلیل اور عامیانہ حرکت اور بزعم خود ایک مقدس کام ہے

مولانا نے کتاب کی اشاعت روک دی تھی اس پر صدہا علماء نے خط لکھے کہ آپ کتاب کی اشاعت ہرگز نہ روکئے اور وکیلوں اور بیرسٹروں نے لکھا ہے کہ اگر عدالت تک نوبت پہنچی تو ہم بلا محنتانہ پیروی کریں گے لیکن مولانا فساد پسند نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے بقیہ تمام جلدیں حکیم اجمل خاں صاحب کے حوالہ کر دیں اور انجام یہ ہوا کہ وہ سب جلدیں آگ کے نذر کر دی گئیں۔ اس واقعہ کو مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو نے بڑی خوبی سے لکھا ہے اس لئے ہم وہ عبارت نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

بڑے اور نامور لوگوں پر اکثر اپنے ہمعصروں کی ہاتھوں بڑے بڑے ظلم ہوئے ہیں مولانا بھی آخر عمر میں اس سے نہ بچے امہات الامۃ کا شائع ہونا تھا کہ دلی میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا مولوی تو پہلے ہی سے اُن سے جلے بیٹھے تھے اِن کی بن آئی خوب جلے پھپولے پھوٹے مخالفت میں رسالے چھپوائے طرح طرح کے بہتان باندھے کفر کے فتوے لکھے اور بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی جس طرح سے عوام کو بھڑکایا یہانتک کہ بعض تو جان کے لاگو ہو گئے اور مرنے مارنے

پر مستعد ہو بیٹھے یہ غدر دلی سے اٹھا اور دوسرے مقامات تک پہنچا
لیکن سب سے حیرت انگیز اور عبرت ناک واقعہ یہ ہے
کہ اس کتاب کے چھپنے کے بعد ندوۃ العلما کا اجلاس دلی میں ہوا
اُس میں علمائے کرام تو موجود ہی تھے انہوں نے باہم مشورہ
کرکے امہات الامۃ کی تمام جلدوں کو جو ابتدائی طوفان کے بعد
شہر کے بعض معززین نے مولانا کی منت سماجت کرکے ایک
صاحب کے پاس رکھوا دی تھیں اور بکری موقوف کرا دی تھی
منگوائیں اور اپنے سامنے ان کتابوں کا ڈھیر لگوایا اور
ان میں سے ایک مولوی نے زیادہ تر ثواب کمانے کے لئے
آگے بڑھ کر مٹی کا تیل چھڑکا اور بسم اللہ کر کے آگ لگا دی اُس کے
شعلوں کی روشنی مولویوں کے مقدس چہرے پر پڑ رہی تھی
اور ان کی آنکھوں کی چمک اور چہروں کی بشاشت سے اس
خوفناک دلی مسرت اور باطنی اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا
جو ایک خونخوار درندے یا سنگ دل انسان کی صورت سے
انتقام لیتے وقت ظاہر ہوتا ہے اگر حکومت کا ڈر نہ ہوتا تو
مولانائے مرحوم بھی اسی آگ میں جھونک دیے جاتے یہ منظر
قابل دید تھا۔ مولویوں کا یہ حلقہ زمانہ وسطیٰ کے ان پادریوں کا

یاد دلاتا تھا جنھوں نے کتابیں تو کتابیں ہزاروں بے گناہ
زندہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیے کڑکڑاتے تیل کے
کڑاہوں میں ڈال دیے تھے گلے میں پتھر باندھ کر بہتے
دریاؤں میں ڈبو دیے۔ کتوں سے پھڑوا دیے اور طرح طرح کے
عذاب کے دیگر اور عجیب و غریب شکنجوں میں کس کس کر سسکا سسکا کر مار ڈالے
ان کے سامنے راکھ کا ڈھیر ایک تو وہ عبرت تھا چودھویں
صدی کے روشن زمانے کی ایک عجیب یادگار تھا یہ راکھ
اس قابل تھی کہ اس کی ایک ایک چٹکی بطور یادگار کی شیشیوں میں
بند کر کے رکھ لی جاتی تاکہ آئندہ نسلیں اسے سامنے رکھکر ان
علمائے کرام اور مصلحان ملک و ملت کی ارواحِ پاک کو فاتحہ
دلائیں اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتیں اس رات گویا
مولویوں نے شب برات منائی اور اس آگ سے نفوس
مطمئنہ کو ٹھنڈا کیا اور اپنے اعمالناموں میں ایک ایسی نیکی کا
اضافہ کیا جو غالباً ان کی نجاتِ اُخروی کا باعث ہوگی
یہ ان بزرگواروں کا کام ہے جنھوں نے چشم بد دور مسلمانوں کی
دینی و دنیوی اصلاح و فلاح کا بیڑا اٹھایا ہے
کتاب کو سوختنی قرار دینے والوں کی فہرست میں شمس العلما علامہ

شبلی نعمانی مصنف "کتب خانہ اسکندریہ" کا نام نامی بھی جلی حروف میں لکھا ہوا ہے

اَنْتَ مِنْهُمْ يَا بِرُوطِس

فَاهَا ثُمَّ آهًا ثُمَّ آهَا

مولانا نذیر احمد مرحوم کی وفات کے بعد مولوی راشد الخیری نے یہ کتاب دہڑلے کے ساتھ چھپوا کر شائع کردی اب ہر شخص خرید سکتا اور اسکے مطالعہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔

مولانا کی آخری تصنیف "مطالب القرآن تھی" جو افسوس ہے کہ ناتمام رہ گئی اس کتاب میں مضامین قرآنی کے باب قایم کرکے چھپوائے تھے اور ہر مضمون پر ایک تفسیری مضمون لکھا ایک چوتھائی کتاب لکھنے پائے تھے کہ پیام اجل آگیا۔ یہی ناتمام کتاب چھپ گئی ہے ابتداءً مولانا کی تصانیف جس مطبع نے چاہا چھاپیں اور جس قدر جلدیں چھاپیں وہ ہاتھوں ہاتھ بک گئیں مولانا پہلے کتاب چھپوا کر کسی کتب فروش کو کمیشن پر دیدیا کرتے تھے آخر میں خود ایک مطبع قایم کرلیا تھا جس کا نام "شمسی پریس" تھا اسی میں قرآن شریف وغیرہ اور آخری تصانیف طبع ہوئیں "

لیکچر اور نظم

۱۸۸۶ء تک مولانا کی شہرت بحیثیت ایک بلند پایہ مصنف کے رہی لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ مولانا جس پایہ کے انشا پرداز ہیں اسی پایہ کے مقرر بھی ہیں سب سے پہلے دسمبر ۱۸۸۶ء کے اجلاس کانفرنس لاہور میں انکا لیکچر لوگوں نے سنا تو سب کو حیرت ہوئی پہلے ہی لیکچر میں ان کی ملکۂ تقریر کی دہاک بندہ گئی واعظوں کی طرح وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر نہیں چیختے تھے بلکہ اِن کا انداز تقریر نہایت شاندار تھا، اِن کی آواز بلند اور بارعب تھی خاص کمال اِن کی تقریر کا یہ تھا کہ جلسے کو اپنے قابو میں رکھتے تھے اور بڑے سے بڑے شخص پر اِن کا اثر پڑتا تھا، سامعین کو ہنسا دینا اور رلا دینا اِن کے اختیار میں تھا جس وقت وہ تقریر کرتے تھے اس وقت لوگوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ کسی نے جادو کر دیا ہو۔ اِن لکچروں میں انگریزی الفاظ بلکہ جملے کثرت سے ہوتے تھے جو انگریزی داں اصحاب کو ناگوار نہ معلوم ہوتے ہوں لیکن محض اردو خواں لوگوں کے لئے نامانوس اور ناخوشگوار تھے تاہم اِن کا لیکچر بیحد دلچسپ ہوتا تھا کیونکہ اس میں ظرافت کی چاشنی کافی، زبان فصیح و بلیغ اور اردوے معلےٰ ہوتی تھی، مولانا کانفرنس،

انجمن حمایت الاسلام لاہور" اور طبیہ کانفرنس دہلی میں خاص طور پر مدعو کئے جاتے تھے جب لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ مولانا نذیر احمد کا لیکچر ہوگا تو خلقت ٹوٹ پڑتی تھی اور اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ پنڈال کے اندر اور باہر تل رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی اور مقررہ وقت سے پہلے لوگ آکر بیٹھ جایا کرتے تھے جب مولانا آتے تھے تو خوشی کے سارا پنڈال گونج اُٹھتا تھا۔ بعض وقت گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت لوگ دہوپ میں بیٹھے رہا کرتے تھے لیکن مولانا کی لیکچر سننے کا شوق تکلیف پر غالب آجاتا تھا اور سنتے وقت ان کو اپنی تکلیف کا احساس بہی نہیں ہوتا تھا چندہ کی وصولی کے لئے جو لیکچر دیتے تھے اس میں لوگوں کی جیبیں خالی کرالیا کرتے تھے جلسہ سے پہلے مولانا اپنا لیکچر قلم بند کرکے یاد کرلیا کرتے تھے اور اکثر تو تقریر کرنے سے پہلے لیکچر چھپوا لیا کرتے تھے قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اس میں قوسین کے اندر لفظ چیرز بھی ہوتا تھا اور عموماً اس موقع پر حاضرین جلسہ ضرور چیرز دیتے تھے۔ کیونکہ مولانا تقریر کے وقت تحریر کے پابند نہیں رہتے تھے اور تخئیل کی پرواز میں کہیں کے کہیں پہنچ جاتے تھے، زبان اور طبیعت کی روانی مرکز پر قائم نہیں رکھتی تھی تاہم مولانا مبحث سے دور نہیں جاتے تھے اور پھر

اصل نقطہ پر واپس آجاتے تھے۔

مولانا کے لیکچروں کا مجموعہ چھپا ہوا ملتا ہے شائقین زبانِ اردو کو اس کا مطالعہ بالیقین مفید ہے۔

مولانا اگرچہ شاعر نہ تھے نہ شاعری اِن کا پیشہ تھا۔ لیکن طبیعت میں روانی تھی اردو کے قادر الکلام ادیب عربی کے فاضل اور جیّد عالم تھے اس لئے شعر کہنا اِن کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہ تھا تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ سب سے بڑی نظم اِن کی ایک مسدس ہے، جو فسانۂ مبتلاؔ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کی ہے محمڈن کانفرنس کے چوتھے اجلاس سے لکچر کے پہلے ایک نظم بھی لکھتے تھے اِن کی نظم پڑھنے کا انداز ایسا اچھا تھا کہ سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے گو خود پڑھنے میں اس قدر لطف اندوز نہ ہو سکیں مولانا کی نظموں کا ایک مجموعہ نظم بے نظیر کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس کے مطالعہ سے مولانا کی قادر الکلامی اور ذہانت وطباعی ضرور ثابت ہوتی ہے نظم میں جو خوبیاں ہونا چاہئیں مثلاً ترکیب وبندش کی چستی وغیرہ وہ سب موجود ہیں اگرچہ روح شاعری نہیں ہے لیکن بعض بعض اشعار میں یہ روح بھی پائی جاتی ہے ان نظموں کے بعض مقامات پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مولانا

قیود شاعری سے آزاد ہیں اور کہیں کہیں غیر مانوس الفاظ بھی استعمال
کر جاتے ہیں یہ اعتراض صحیح ہو لیکن جب کہ پیشہ ور شاعروں کا
کلام بھی ان نقائص سے پاک نہیں دیکھا جاتا تو مولانا جن کا پیشہ
اور مشغلہ خاص شاعری نہ تھا معذور رکھے جا سکتے ہیں تاہم مولانا کی
نظمیں فی الجملہ لطف سے خالی نہیں ہیں اور ناظرین کم و بیش دلچسپی
حاصل کر سکتے ہیں۔

خطابات

مولانا کو علمی کارناموں اور اردو کی خدمات کے صلہ میں وقتاً
فوقتاً گورنمنٹ اور یونی ورسٹیوں کی طرف سے خطابات ملے۔
گورنمنٹ کی طرف سے ۲۲۔جون ۱۸۹۷ء کو "شمس العلماء" کا
خطاب دیا گیا اور ایڈنبرا یونیورسٹی سے ۲۔اپریل ۱۹۰۲ء کو
"ایل، ایل، ڈی" کی سند عطا ہوئی۔ ۲۸۔دسمبر ۱۹۱۰ء کو پنجاب
یونیورسٹی کے پینتیسویں اجلاس کانووکیشن میں "ڈی، او، ایل"
کی ڈگری دی گئی، لفٹنٹ گورنر پنجاب نے جو صدر جلسہ تھے ڈگری
دیتے ہوئے حسب ذیل تقریر کی:۔
"بتعمیل رزولیشن سینٹ جو ابھی پڑھا گیا اور نیز ان اختیارات

کی رو سے جو بحیثیت چینسلر یونیورسٹی مجھے حاصل
ہیں میں مولوی حافظ نذیر احمد خان
شمس العلما ر ایل، ایل، ڈی کو ڈگری
اورنیٹل لرننگ میں شامل کرتا ہوں اور جس کے لئے میں حکم
دیتا ہوں کہ یہ سند صاحب موصوف کو دیجائے۔ اور
میں صاحب موصوف کو مجاز کرتا ہوں کہ اس ڈگری کی متعلق
جو لباس مقرر ہے اُس کو زیب تن کریں میرے لئے یہ وقت
خاص امتنان کا ہے کہ میں ایسے موقع پر بحیثیت ایک
چینسلر کے صدر نشین ہوں جب کہ یونیورسٹی کی تاریخ میں
ایک تھوڑا سا جدید طرز عمل اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ کہ
ڈاکٹر آف اورنیٹل لرننگ کی اعزازی ڈگری ایک ایسے
شخص کو دی گئی ہے جو نہ یونیورسٹی کا ممبر ہے نہ وہ
اس یونیورسٹی کا کوئی بڑا عہدہ دار ہے با ایں ہمہ میں
خیال کرتا ہوں کہ یہ کانووکیشن اس امر پر متفق ہوگا کہ اس سے
بہتر اور کوئی انتخاب اس معزز ڈگری کے ادا کرنیکا مولوی
صاحب موصوف کے سوا نہیں ہو سکتا مجھے کامل یقین ہے
کہ زبانِ اردو کی ترقی میں مولوی صاحب موصوف کے

کسی اور شخص نے اتنی کوشش کی ہو، اِن کی تصانیف کا حال
آپ کو معلوم ہے اور مجھے یقین ہے کہ بالائی حصہ ہند میں عام طور پر
یہ خیال ہے کہ وہ بہترین کتابیں ہیں جو زبانِ اردو میں لکھی گئی
ہیں مجھے مسرت ہے کہ یہ عزت ایسے وقت میں دی جا رہی ہے
جبکہ مَیں چانسلر ہوں مگر مجھے افسوس ہے تو صرف اس امر کا ہے
کہ مولوی صاحب موصوف بنفس نفیس ڈپلوما لینے کے لئے
خود تشریف نہ لا سکے۔

دیگر حالات اخلاق و عادات اور وفات

دنیا میں ایسے خوش قسمت لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو علم و
فضل میں یکتائے زمانہ ہوں اِن کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی،
معاشرتی، کوئی کارنامہ ہو وہ شہرت و ناموری حاصل کر چکے ہوں
اور صاحب دولت و ثروت ہوں، مولانا نذیر احمد میں یہ سب فضائل
جمع تھے وہ ایک زبردست عالم تھے اِن کی تصانیف علمی و مذہبی
اور بعض دوسری حیثیتوں سے بہت بڑا کارنامہ ہیں۔ وہ ہندوستان کے
ناموَر مشاہیر میں سے ہیں اور دولت اِن کے گھر کی لونڈی تھی گورنمنٹ اور
حیدر آباد سے اِن کو بیش قرار پنشن ملا کرتی تھی حیدر آباد سے واپس

آنے کے بعد انہوں نے تجارت شروع کی اور ابتداً انہوں نے
اپنے روپے سے پرامیسری نوٹ خرید لئے تھے کیونکہ وہ اِن نوٹوں
اور بینک کے سود کو جائز سمجھتے تھے لیکن بعض وقت اِن کے دل میں
خلش پیدا ہو جاتی تھی کہ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز اس لئے انہوں نے
اپنا زیادہ روپیہ تجارت میں لگا دیا تھا اور رفتہ رفتہ کاروبار تجارت
بہت وسیع ہو گیا تھا مولانا کی تصانیف خود ایک چلتا مال تھیں ان سے
انہوں نے لاکھوں روپیہ پیدا کیا اور لکھ پتیوں میں اِن کا بھی شمار تھا
یہ فراہمی دولت نتیجہ تھی مولانا کی کفایت شعاری اور محنت و کوشش کی
مولانا کی کفایت شعاری جزرسی کی حد تک پہنچ گئی تھی کہ اپنے پوتے کو
ایک پیسے کے کھیلوں سے مہینا بھر تک بہلایا کرتے تھے لیکن اہل حاجت
کی امداد میں وہ نہایت فراخ دل تھے انہوں نے سینکڑوں بے روزگاروں کو
روپیہ دیکر روزگار سے لگایا اور اکثر بے روزگاروں کو نقدی سے امداد
کر کے باکار بنا دیا نادار طالب علموں کو معقول وظیفہ دیتے تھے اور
غریب مسلمان طلبا کی خفیہ امداد کرتے رہتے تھے۔ کئی طالب علموں کو
اپنے اخراجات سے انگریزی کی تعلیم دلائی دو کشمیری لڑکوں کو خود
پڑھایا اور اُن کے ساتھ ہمیشہ سلوک کرتے رہے جب وہ جوان ہو گئے
تو ان کو بیوپار کے لئے ہزار روپیہ دیے ایک طالب علم کو بی۔اے

ایل ایل بی تک تعلیم دلوائی اور تمام مصارف تعلیم اپنے پاس سے ادا کئے
قومی کاموں میں ہمیشہ فیاضی سے چندہ دیا سینٹ اسٹیفن کالج دہلی کے
آنریری عربک پروفیسر تھے اس میں مالی امداد دیا کرتے تھے وفات سے
تھوڑا عرصہ پہلے پانسو روپیہ توسیع بورڈنگ کے لئے چندہ دیا تھا۔
سر سید مرحوم کے ہمیشہ دوست تھے محمڈن کالج علی گڈھ کے ابتدا سے
ٹرسٹی رہے کالج میں اکثر چندے دیے جب کالج کے روپے میں غبن ہوا
تو سب سے پہلے اُنھوں نے ایک ہزار روپیہ دیا اور تحریک کی کہ کالج پر جو
سترہ ہزار روپیہ بینک کا قرضہ ہو گیا ہے وہ خاص چندہ سے ادا کر دیا جائے
اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کی بھی امداد کرتے رہتے تھے اور اس کو ایک
گرانقدر رقم دینے کا بھی ارادہ تھا۔ سید کی تعلیمی تحریک کے بڑے حامیوں
میں تھے کانفرنس انجمن حمایت الاسلام لاہور اور طبیہ کالج دہلی کو آپ کے
لیکچروں کے ذریعہ بہت قیمتی مدد ملی جب چندہ کے لئے لیکچر دیتے تھے
تو سب سے پہلے خود معتد بہ رقم بطور چندہ پیش کرتے انہیں امدادوں کی
وجہ سے پنجاب میں آپ کا نام عزت سے لیا جاتا ہے ۱۹۰۲ء تک مولانا
برابر کانفرنس میں شرکت کرتے رہے لیکن مزاج میں شوخی اور کلام
میں گرمی تھی بعض جملے مولانا کی زبان سے ایسے نکل جاتے تھے جو دلوں کو
صدمہ پہونچاتے تھے لکھنؤ کے اجلاس کانفرنس میں اِن مولویوں کی

جنہوں نے کانفرنس کی تکفیر کی تھی مولانا نے کچھ پھبتیاں اُڑائی تھیں اس پر بعض عمائدین لکھنو کو جو کالج کے ہمدرد تھے ناگوار گذرا تھا اس لئے نواب محسن الملک مرحوم اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے محض معذرت کے طور پر مولانا کی تردید کی تھی یہ تردید مولانا کو ناگوار گذری اس لیئے انہوں نے کانفرنس کی شرکت ترک کردی تھی لیکن کالج سے بالکل قطع تعلق نہیں کیا تھا ۱۹۰۶ء میں اسٹرائک کے موقع پر مولانا کالج مین تشریف لے گئے تھے قومی کاموں سے بھی دست بردار نہیں ہوے تھے آخر عمر میں اُن کا ارادہ تھا کہ ایک کثیر رقم کسی مفید قومی کام میں خرچ کریں لیکن زندگی نے وفانہ کی اور اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے ضرورت مندوں کے ساتھ سلوک برابر کرتے رہے جو شخص روپیہ قرض طلب کرتا اور چکنی چپڑی باتیں بناتا چونکہ مزاج بھولا واقع ہوا تھا اس لئے فوراً اعتماد کر لیتے تھے اور روپیہ دیدیتے تھے لیکن جب اِن کا دو ڈہائی لاکھ روپیہ ڈوب گیا تو آخر میں محتاط ہو گئے تھے۔

مولانا کا امتیازی وصف علمی تصنیف رسانی تھا انہوں نے اپنی گرانقدر تصانیف سے جو قوم کو گراں بار احسان کیا اس کے علاوہ آپ پنجاب یونیورسٹی اور حیدرآباد کے اعلی امتحانات کے ممتحن تھے اور طلبا کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے جب سے مولانا حیدرآباد سے آئے

اُسی وقت سے تعلم وتعلیم کا سلسلہ جاری کر دیا روزانہ صبح کو حدیث اور علم ادب کا
درس دیا کرتے مولانا عربی ادب کے والہ وشیدا تھے اس لئے اس کا سبق
بڑے شوق سے پڑھاتے تھے سینکڑوں طالب علم مولانا کے شاگرد ہیں جن
میں سے بعض جید عالم ہیں۔ اس مشغلہ سے اِن کو اس قدر دلبستگی تھی
کہ ذرا فرق ڈالنا پسند نہ کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کو حاکم ضلع کی طرف سے
آنریری مجسٹریٹی پیش کی گئی آپ نے یہ جواب لکھ دیا کہ مجھے گورنمنٹ سے
ہمیشہ اپنی خدمات کا صلہ ملا ہے اور اب تک ملازمت سے علیٰحدگی کے بعد
پنشن مل رہی ہے نہیں معلوم بلامعاوضہ لوگ کس طرح کام کرتے ہوں گے
اسکے علاوہ یہ میری تعلیم وتعلم اور تالیف وتصنیف کے اوقات ہیں
میں ایسا اعزاز نہیں چاہتا جس سے میرے اِن بیش بہا کاموں میں
فرق پڑے۔ لہذا شکریے کے ساتھ میں اس اعزاز کو واپس
کرتا ہوں "

درس دیتے وقت مولانا کے غیر معمولی حافظے اور تبحّر کا پتہ چلتا تھا
عربی اشعار، حدیث و قرآن شریف پر اسقدر عبور تھا کہ کوئی لفظ،
قرآن شریف کا کتاب میں آتا تو قرآن شریف کی آیتیں حدیثیں اور
عربی اشعار جن میں وہ لفظ ہے بے تکلف پڑھ دیا کرتے تھے
اسی طرح اردو اور فارسی کے محاورے ضرب الامثال و اشعار ہزاروں یاد تھے اور اُردو تو انکی

گودوں کی کھلائی ہوئی تھی کسی کے سبق میں عربی کا کوئی محاورہ
یا ضرب المثل آجاتی تو اردو و فارسی کا ہم معنی محاورہ یا ضرب المثل بھی
بیان کر دیا کرتے تھے عربی شعر کوئی آتا تو اسی مضمون کا کوئی فارسی
یا اردو شعر سنا دیا کرتے تھے بعض علمی مسائل میں مولانا اپنی خاص
رائے رکھتے وہ طلبا کے سامنے بے تکلف بیان کر دیا کرتے تھے
خود بھی مولانا کچھ کم علم کے حریص نہ تھے حیدر آباد میں علاوہ حفظ قرآن کے
تلنگی زبان بھی سیکھی تھی اور آخر میں سنسکرت پڑھا کرتے تھے ہاتھ میں
رعشہ کی وجہ سے خود تو لکھتے نہ تھے بول کر لکھواتے تھے لیکن کتاب
اور اخبارات کا مطالعہ برابر کرتے تھے اور یہ مشغلہ اس وقت ختم ہوا
جب ضعیف العمری کی وجہ سے آنکھوں سے معذور ہو گئے۔

باوجود دولت مندی کے معاشرت بالکل سادہ رکھتے تھے گورنمنٹ
اور حیدر آباد میں ممتاز عہدوں پر رہے لیکن سادگی نہ چھوڑی جس جگہ
بیٹھا کرتے تھے وہاں کوئی سامان تکلف نہ تھا نہ کسی قسم کی آرائش تھی
لباس کی طرح کھانا بھی سادہ ہی کھایا کرتے تھے

وضعداری ویسی ہی تھی جیسی پرانے لوگوں میں ہوا کرتی تھی
چاندنی چوک میں شمس العارفین کی دکان پر بعد نماز عصر روزمرہ بیٹھا
کرتے تھے اور مغرب کی نماز پڑھ کر واپس جاتے تھے پھر بجاے

اس دکان کے بعد میں حاجی سراج الدین جفت فروش کی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے اس معمول میں کبھی فرق نہیں آتا تھا چاہے مینہ برستا ہو یا آندھی چلتی ہو لیکن مولانا برابر اپنے وقت پر آتے تھے اور وقت پر جاتے تھے حاجی سراج الدین کی وفات کے بعد مہر الٰہی صاحب کی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے مولانا اسوقت بلا مدد کے چل پھر نہیں سکتے تھے اس لئے مہر الٰہی صاحب اپنے صاحبزادہ کو لے کر آتے تھے اور مولانا کو سہارا دے کر لے جاتے تھے وفات سے تھوڑے دن پہلے جب طاقت نے بالکل ہی جواب دیدیا تو اس وقت مجبور ہو گئے پھر کہیں نہیں جاتے تھے ۔

بعض لوگوں کی ایک عامیانہ خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ خود یا ان کے مرید اور ہم صحبت دھمکی آمیز گمنام خطوط بھیجا کرتے ہیں چنانچہ امہات الامۃ کی اشاعت پر جو ہنگامہ برپا کیا گیا تھا اس کا ایک جزیہ بھی تھا کہ مولانا کے پاس گمنام خطوط بھیجے جاتے تھے ہر خط میں یہ لکھا جاتا تھا کہ تم قتل کر دیے جاؤگے اور سر بازار پیٹے جاؤگے لیکن مولانا کو پروا بھی نہ ہوئی اور اپنے معمول میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا جو وقت دوکان پر جا کر بیٹھنے کا تھا اس وقت برابر جاتے تھے اور مقررہ وقت تک بیٹھے رہا کرتے تھے ۔

دینیات کے فاضل علامہ تھے لیکن روکھے اور خشک مزاج نہ تھے بلکہ نہایت خوش طبع ظریف بذلہ سنج اور حاضر جواب تھے ایک خوبی اِن میں یہ تھی کہ بے لاگ تھے جو کچھ دل میں ہوتا تھا وہ صاف کہدیتے تھے نیک دل بھی ایسے ہی تھے کہ جن لوگوں نے اِن سے بدمعاملگی کی اور نقصان پہنچایا اِن کو درگذر کر دیا۔

وہ ایک آزاد خیال اور روشن دماغ عالم تھے لیکن نہایت راسخ العقیدہ اور پابند مذہب باوجود مذہبیت کے اِن میں تعصب نام کو نہ تھا وہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے ملتے تھے اور انہیں خوبیوں کی وجہ سے غیر مذہب کے لوگ بھی مولانا کی عزت کرتے تھے۔

صوم صلوٰۃ کے پابند تھے قرآن شریف کی تلاوت کا ایک خاص وقت مقرر تھا تلاوت کے بعد اِن کی طبیعت میں خاص قسم کی نرمی پیدا ہو جاتی تھی اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس وقت اِن سے جو بات کہی جاتی تھی وہ منظور کر لیتے تھے وفات سے چند سال قبل یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب قرآن شریف کی کوئی آیت پڑھتے تھے تو آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے تھے وفات سے چند روز پیشتر سے یہ حالت تھی کہ موت کو بار بار یاد کرکے روتے تھے اور قرآن شریف کی آیتیں پڑھتے رہتے تھے آخر وہ گھڑی آگئی جو ہر متنفس کو پیش آتی ہے ۲۹- اپریل کو

فالج گرا۔ مولانا کی ایک صاحبزادی ہیں اور ایک صاحبزادے صاحبزادی تو گھر ہی پر موجود تھیں اور صاحبزادے مولوی بشیرالدین احمد صاحب حیدرآباد میں تھے جہاں وہ ایک ممتاز عہدے پر ملازم تھے ان کو تار دیا گیا وہ ابھی دہلی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ ۳۔مئی ۱۹۱۲ء کو مولانا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے عالم جاودانی کو جا پہنچی اور اسی روز یہ علم کا آفتاب عالم تاب خواجہ باقی باللہ میں زیر خاک دفن کر دیا گیا خدا مرحوم کو اپنے سایۂ رحمت میں رکھے۔ آمین۔

محمد مہدی بھوپال

مطبع ریاست بھوپال